مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

علم حدیث ایک بیش بہا خزانہ

(حیات نبوی کا بولتا چالتا روزنامچہ اور عہد نبوی کا جیتا جاگتا مرقع)

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و تعلیم کے مقاصد و نتائج جہاں قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں وہاں صراحۃً ان چار چیزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ۱۔ تلاوت۔ ۲۔ تعلیم کتاب۔ ۳۔ تعلیم حکمت۔ ۴۔ اور تزکیۂ نفوس۔

هو الذی بعث فی الامیین رسولًا منهم یتلو علیهم اٰیٰته و یزکیهم و یعلمهم الکتاب والحکمة و ان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین (الجمعہ ع ۱)	وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول انہیں میں سے مبعوث فرمایا۔ جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور بیشک وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔
کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلو علیکم اٰیٰتنا و یزکیکم و یعلمکم الکتٰب والحکمة و یعلمکم مالم تکونوا تعلمون (البقرہ ع ۱۸)	جیسا کہ ہم نے تم ہیں ایک رسول تم ہی میں سے بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب اور دانائی سکھاتا ہے۔ اور تمہیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

درحقیقت بعثت محمدیؐ ان چاروں شعبوں پر مشتمل تھی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح دنیا کو نیا آسمانی صحیفہ عطا کیا، نیا علم و حکمت عطا کیا۔ اسی طرح نئے اخلاق، نئے جذبات و کیفیات، نیا یقین و ایمان، نیا ذوق و شوق، نئی بلند نظری، نیا جذبۂ ایثار، نیا شوق آخرت، نیا جذبۂ زہد و قناعت، دنیا کی متاع حقیر اور دولت فانی کی تحقیر۔ نئی محبت و الفت، حسن سلوک و ہمدردی، برّ و مواسات، مکارم

اخلاق۔ اسی طرح سے نیا ذوقِ عبادت، خوف و خشیت، توبہ و انابت، دعا و تضرع کی دولت عطا فرمائی اور انہی خصوصیتوں کی بنیاد پر وہ نیا اسلامی معاشرہ اور دینی ماحول قائم ہوا جس کو عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام ان مقاصد و نتائج بعثت کے کامل ترین نمائندہ اور بہترین نمونہ تھے اگر ان شعبہ ہائے نبوت کو عام زندگی میں جلوہ گر دیکھنا ہو تو صحابہ کرام کی جماعت کو دیکھ لیا جائے۔

یوں تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و رسالت و تعلیم ان سعادتوں کا سرچشمہ تھی۔ اور اسی سے یہ پوری زندگی اور قرن اول کا اسلامی معاشرہ وجود میں آیا لیکن اگر اس کے طریق عمل کی تفصیل اور اس کے ذرائع و وسائل کی تحلیل کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس محیر العقول انقلاب کا ذریعہ اور اس نئے معاشرہ اور نئی امت کی تشکیل کے عناصر و ارکان یہ تین چیزیں تھیں۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی، آپ کی زندگی، سیرت و اخلاق۔

۲۔ قرآن مجید۔

۳۔ آپ کے ارشادات و ہدایات۔ مواعظ و نصائح اور تعلیم و تلقین۔

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بعثت نبوی کے مقاصد و نتائج کے کامل ظہور میں اور جدید امت کی تعمیر و تشکیل میں ان تینوں عناصر و ارکان کا دخل ہے۔ اور واقعہ بھی یہی ہے۔ کہ ان تینوں کے بغیر ایک مکمل معاشرہ، مکمل زندگی اور ایک ایسی ہیئت اجتماعی جس میں عقائد و اعمال، اخلاق، جذبات، اذواق رجحانات، تعلقات سب ہی ہوں وجود میں نہیں آسکتی۔ زندگی کے لئے زندگی شرط ہے۔ یہاں دیئے دیا جلتا ہے۔ صحابہ کرام اور ان کے صحیح جانشینوں کی زندگی میں ہمیں عقائد و اعمال کے ساتھ جو خالص اسلامی اخلاق اور اس سب کے ساتھ جو اعلیٰ اذواق اور گہرے دینی جذبات اور دینی کیفیات نظر آتی ہیں وہ تنہا تلاوتِ کتاب کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ اس کامل ترین، موثر ترین زندگی کا بھی اثر ہے۔ جو شب و روز ان کے سامنے رہتی تھی۔ اس سیرت و اخلاق کا نتیجہ ہے جو ان کی آنکھوں کے سامنے تھے۔ اور ان مجالس اور صحبتوں کا بھی فیض ہے اور ان ارشادات و نصائح و تلقین کا بھی جس سے وہ حیات طیبہ میں برابر مستفید ہوتے تھے اس کے مجموعہ سے اسلام کا وہ مزاج خاص وجود میں آیا جس میں صرف قواعد و ضوابط اور ان کی قانونی پابندی نہ تھی۔ بلکہ ان پر عمل کرنے کے محرکات و ترغیبات اور عمل کی صحیح کیفیات اور روح بھی تھی۔ حدود کی پابندی اور حقوق کی ادائیگی کے ساتھ لطیف احساسات اور مکارم اخلاق کے دقائق بھی تھے۔

انہوں نے قرآن مجید سے اقامت صلوٰۃ کا حکم پایا تھا اور الذین ھم فی صلاتھم خاشعون کی تعریف بھی سنی تھی۔ مگر انہوں نے اس کی صحیح کیفیت معلوم کی جب آپ کے ساتھ نمازیں پڑھیں

اور آپ کے رکوع و سجود کی کیفیت دیکھی جس کو انہوں نے تسمع لہ ازیزاً کازیز المرجل (ہم آپ کے سینہ کی آواز اس طرح سنتے تھے جیسے ہانڈی میں ابال آتا ہے۔) کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے انہوں نے قرآن مجید سے سمجھا تھا کہ نماز مومن کا ایک محبوب فعل ہے۔ لیکن جب تک انہوں نے زبان نبوی سے قرۃ عینی فی الصلوٰۃ (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) اور بے قراری اور انتہائے شوق و اضطراب کے ساتھ ارحنی یا بلال (بلال اذان دے کر مجھے آرام پہنچاؤ۔) نہیں سنا۔ ان کو نماز کے ساتھ اس عشق و شغف کا اندازہ نہیں ہوا۔ اسی طرح جب تک انہوں نے خاصان امت کے سلسلہ میں وقلب معلق فی المسجد حتی یعود الیہ (ان کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے مسجد سے نکل کر جب تک دوبارہ مسجد میں نہیں آتے ان کو چین نہیں آتا) کے الفاظ نہیں سنے، ان کو مسجد اور قلب مومن کا باہمی تعلق معلوم نہیں ہو سکا انہوں نے قرآن مجید میں بار بار دعا کی ترغیب دیکھی تھی۔ دعا نہ کرنے والوں پر عتاب بھی سنا تھا۔ اور تضرع و ابتہال (گریہ و زاری اور الحاح و اصرار) کے الفاظ و مفہوم سے بھی وہ آشنا تھے۔ لیکن اس حقیقت کو انہوں نے اس وقت جانا جب انہوں نے میدان بدر میں آپ کو خاک پر سر رکھے یہ الفاظ کہتے سنا کہ

اللھم انشدك عھدك ووعدك اللھم ان شئت لم تعبد[1]

اے اللہ میں تجھے تیرے عہد اور وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ اے اللہ اگر تو چاہے (اس مٹھی بھر جماعت کو ہلاک کرنا) تو تیری عبادت نہ ہو) اور بے قراری کی وہ کیفیت دیکھی جو حضرت ابوبکرؓ سے نہ دیکھی جا سکی یہاں تک کہ انہوں نے عرض کیا حسبك (یا رسول اللہ کافی ہے) ان کو معلوم تھا کہ دعا کی روح، بندگی اور اپنی عجز و درماندگی کا اظہار ہے۔ اور جس دعا میں یہ جوہر جس قدر زیادہ ہو اسی قدر وہ دعا قیمتی ہے لیکن بندگی اور عجز و درماندگی کی حقیقت ان کو جب معلوم ہوئی جب انہوں نے عرفات میں آپ کو یہ کہتے سنا۔

اللھم انك تسمع کلامی و تری	اے اللہ تو میری بات کو سنتا ہے اور میری جگہ
مکانی و تعلم سری و علانیتی	کو دیکھتا ہے۔ اور میرے پوشیدہ اور
لا یخفی علیك شئ من امری	ظاہر کو جانتا ہے۔ تجھ سے میری کوئی بات
و انا البائس الفقیر المستغیث	چھپی نہیں رہ سکتی۔ میں مصیبت زدہ ہوں
المستجیر الوجل المشفق المقر	محتاج ہوں، فریادی ہوں۔ پناہ جو ہوں

---

[1] بخاری جلد ثانی کتاب المغازی۔

المعترف بذنبی ، اسئلك مسألة المسكين و ابتهل اليك ابتهال المذنب الذليل وادعوك دعاء الخائف الضرير ودعا من خضعت لك رقبته وفاضت لك عبرته و ذل لك جسمه و رغم لك انفه اللهم لا تجعلنی بدعائك شقيا و كن لی رؤفا رحيما يا خير المسئولين و يا خير المعطين[1]

پریشان ہوں، ہراساں ہوں اپنے گناہوں کا اقرار کرنے والا ہوں۔ اعتراف کرنے والا ہوں۔ تیرے آگے سوال کرتا ہوں جیسے بیکس سوال کرتے ہیں۔ تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں جیسے گناہ گار و ذلیل و خوار گڑگڑاتا ہے اور تجھ سے طلب کرتا ہوں جیسے خوف زدہ آفت رسیدہ طلب کرتا ہے اور جیسے وہ شخص طلب کرتا ہے جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہوا اور اس کے آنسو بہہ رہے ہوں اور تن بدن سے وہ تیرے آگے فروتنی کئے ہوئے ہو اور اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہو۔ اے اللہ تو مجھے اپنے سے دعا مانگنے میں ناکام نہ رکھ اور میرے حق میں بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہو جا۔ اے سب مانگے جانے والوں سے بہتر۔ اے سب دینے والوں سے اچھے۔

انہوں نے قرآن مجید میں دنیا کی بے حقیقی اور آخرت کی پائیداری کا ذکر پڑھا تھا اور

ما الحیٰوۃ الدنیا الا لھو و لعب و ان الدار الاٰخرۃ لھی الحیوان

(دنیا کی زندگی محض کھیل تماشہ ہے اور آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے) کے الفاظ ان کو یاد تھے، مگر اس کی حقیقت اور عملی تفسیر ان کو آپ کی زندگی ہی سے معلوم ہوئی۔ اور آپ کے طرز زندگی اور گھر کے نقشہ کو دیکھ کر ہی وہ سمجھے کہ آخرت کو اصل زندگی سمجھنے کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ اور آخرت کو اصل زندگی سمجھنے والوں اور اللھم لا عیش الا عیش الاٰخرۃ پر ایمان رکھنے والوں کی خانگی زندگی اور معیشت کیا ہوتی ہے[2] اس عملی

---

[1] کنز العمال عن ابن عباس [2] ملاحظہ ہو معارف الحدیث جلد دوم حصہ کتاب الرقاق زیر عنوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی فقر پسندی۔

نقشہ اور اجمالی ترغیب کے ساتھ جب ان کے سامنے ارشادات نبوی میں جہنم کے شدائد و مصائب اور جنت کے انعامات و لذائذ کی تفصیل اور تصویر آتی تو ان کے اندر خوف اور شوق کی ملی جلی کیفیت پیدا ہوتی اور ان دونوں کا نقشہ ان کی آنکھوں کے سامنے ہر وقت کھنچا رہتا۔

اسی طرح وہ رحمت، تواضع، خلق، رفق جیسے اخلاق و تعلیمات کے مفہوم سے نا آشنا تھے۔ صاحب زبان بھی تھے۔ اور قرآن مجید میں صاحب نظر بھی تھے۔ لیکن ان الفاظ کی وسعت، عملی زندگی میں ان کی تطبیق نیز صحیح عمل ان کو صرف اس وقت معلوم ہوا جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کمزوروں، عورتوں بچوں، یتیموں، غریبوں، بوڑھوں اور اپنے عام رفقا و اصحاب و اہل خانہ اور خدام کے ساتھ برتاؤ دیکھا اور آپ کی اس بارے میں ہدایات وصیتیں اور ارشادات سنے۔ ان کو عامۃ المسلمین کے حقوق ادا کرنے کی اجمالی ہدایات قرآن سے مل چکی تھیں۔ مگر اس کی بہت سی صورتیں (مثلاً عیادت مریض، اتباع جنائز، تشمیت عاطس وغیرہ وغیرہ) ایسی تھیں جو شاید لاکھوں انسانوں کے ذہن میں خود نہ آتیں اور اگر آتیں تو ان کی اہمیت نہ معلوم ہوتی۔ اسی طرح والدین و اہل حقوق کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم قرآن مجید میں پورے شد و مد کے ساتھ ہے۔ مگر کتنے معلمین اخلاق ہیں جن کا ذہن والدین کے ساتھ حسن سلوک و ادائے حقوق کے اس رفیع و بدیع مقام پر پہنچا۔ جس کا اظہار حدیث نبوی ان من ابر البر برّ الرجل اهل ود ابيه بعد ان يولّى (لڑکے کا باپ کے ساتھ حسن سلوک و وفاداری کا بہترین درجہ یہ ہے کہ اپنے والد کے انتقال کے بعد ان کے دوستوں اور اہل محبت کے ساتھ سلوک کرے)

اور کتنے ذہن ہیں جو وفاداری اور شرافت کے اس بلند مقام تک پہنچ سکتے جس کا اظہار اس روایت سے ہوتا ہے۔

وربما ذبح الشاة ثم يقطعها اعضاء ثم يبعثها في صدائق خديجة

اور بکثرت ایسا ہوتا کہ آپ کے یہاں بکری ذبح ہوتی تو آپ اس کے پارچے الگ الگ کراتے پھر وہ ٹکڑے اپنی مرحومہ بیوی خدیجہ سے میل محبت رکھنے والیوں کے یہاں بھیجتے۔

حدیث کے شعبہ معاشرت و اخلاق کی یہ دو تین مثالیں ہیں جن سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حدیث زندگی کے مختلف شعبوں میں کیسی راہنمائی کرتی ہے اور کیسا نیا علم عطا کرتی ہے اور وہ انسانیت کے لئے کیسا بیش بہا خزانہ ہے۔

دوسری طرف مذاہب و ادیان کی تاریخ کا یہ طویل و مسلسل تجربہ ہے کہ محض ایک اجمالی اور قانونی حکم اور ضابطہ کسی عمل کو اپنی صحیح روح اور کیفیات کے ساتھ وجود میں لانے کے لئے کافی نہیں ہوتا

اور وہ فضا پیدا نہیں کرتا جو اس عمل کو مؤثر اور نتیج بنانے کے لئے درکار ہے۔ مثال کے طور پر اقامت صلوٰۃ کا اجمالی حکم وہ ذہنیت، ماحول اور فضا نہیں پیدا کر سکتا جو نماز کی روح و جسم کی حفاظت اس کی پابندی اور اس کے صحیح روحانی، ذہنی، قلبی، اجتماعی اور اخلاقی نتائج و اثرات کے بروئے کار آنے کے لئے معاون و مددگار ہے۔ اس کے لئے ان مبادی و مقدمات، آداب و ہدایات کی ضرورت ہے جو اس عمل کو مہتم بالشان، دقیع و مؤثر بنائیں۔ اسی بنا پر نماز کے لئے خود قرآن مجید میں وضو طہارت شعور و تعقل، خشوع و خضوع، سکوت و قنوت اور جماعت کا حکم دیا گیا ہے لیکن اہل نظر سے مخفی نہیں کہ اس میں ضروری و قابل عمل حد تک جس قدر آداب و فضائل اور خارجی انتظامات کا اضافہ ہوگا وہ فضا اور ماحول تیار ہوگا جس میں نماز اپنے پورے ثمرات اور روحانی و اجتماعی و اخلاقی اثرات ظاہر کرے گی اور حدیث و سیرت کا مطالعہ کرنے والے اور ان پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور آپ کے ارشادات ہدایت نے اس میں وہ معقول اضافہ کیا ہے جس سے نماز تزکیۂ نفس، تربیت اخلاق اور توجہ الی اللہ و انقطاع عن الخلق نیز امت کی تعلیم و تربیت اور نظم و وحدت کا مؤثر ترین ذریعہ بن گئی ہے۔ مثلاً:

وضو کی نیت و فضیلت اور اس کا استحضار۔ مساجد کی طرف جانے اور اس کے راستے میں پڑنے والے قدموں کی فضیلت۔ راستہ کی دعا۔ مسجد میں داخل ہونے کا ادب اور ذکر۔ تحیۃ المسجد یا سنن راتبہ۔ نماز کے انتظار کی فضیلت اور بیٹھنے کا ادب۔ جماعت کا ثواب۔ اذان و اقامت کا ثواب۔ امامت کی فضیلت و منصب اور اس کے احکام۔ امام کے اتباع کی تاکید۔ صفوں کی ترتیب۔ اور صفوں میں کھڑے ہونے والے آدمیوں کی ترتیب۔ مساجد میں تعلیم و تعلم کے حلقوں کی فضیلت، ذکر کے حلقوں کی فضیلت، مسجد سے نکلنے اور اس کا ذکر وغیرہ وغیرہ۔

ظاہر ہے کہ ان فضائل نیز ان آداب و ہدایات کے علم و عمل سے نماز کتنی مہتم بالشان چیز، اور تزکیہ و اصلاح، تعلیم و تربیت، اور انابت و توجہ الی اللہ کا کیسا مؤثر ذریعہ بن جاتی ہے۔ پھر اس کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازوں کی کیفیت۔ نوافل کے ذوق۔ قرآن مجید پڑھنے میں رقت و محویت کے واقعات کا (جو احادیث میں اہتمام کیساتھ بیان کئے گئے ہیں) اضافہ کیجئے۔ اس مجموعہ سے امت کی نماز کس مقام تک پہنچ جاتی ہے اور اس کے لئے کیسا ذہنی اور روحانی ماحول تیار ہوتا ہے۔ صوم و زکوٰۃ و حج کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے اور حدیث سے ان کے آداب و فضائل، معمولات نبوی اور واقعات زندگی کو جمع کر کے غور کرنا چاہئے کہ اگر ان عبادات کو ان آداب و فضائل اور واقعات سے مجرد و منقطع کر لیا جائے اور ان اس ماحول سے جدا

کر لیا جائے جو حدیث ان کے لئے مہیا کرتی ہے اور جواب حدیث کی بنا پر ان کے ساتھ لازم ہو گیا ہے تو ان کی تاثیر کہاں تک باقی رہتی ہے اور ان میں جذبات کو ابھارنے، ذوق و شوق کو پیدا کرنے، استقامت عطا کرنے اور قلب و دماغ کو غذا اور جلا عطا کرنے اور ایک ایسے نئے معاشرہ کی تعمیر کی (جس کے اندر عبادت و تقویٰ و انابت کی روح سرایت کئے ہوئے ہو) کہاں تک صلاحیت باقی رہ جاتی ہے۔

درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور ارشادات و ہدایات (جن کے مجموعہ کا معروف نام حدیث و سنت ہے) دین کے لئے وہ فضا اور ماحول مہیا کرتے ہیں جس میں دین کا پودہ سرسبز و بار آور ہوتا ہے۔ دین کسی خشک اخلاقی ضابطہ یا قانونی مجموعہ کا نام نہیں۔ وہ جذبات، واقعات اور عملی مثالوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ ان جذبات و واقعات اور عملی مثالوں کا سب سے بہتر اور مستند مجموعہ وہ ہے جو خود پیغمبر کی ذات سے متعلق اور اس کے حالاتِ زندگی سے ماخوذ ہو۔ یہودی اور عیسائی، نیز ایشیا کے دوسرے مذاہب اس لئے بہت جلد مفلوج ہو کر رہ گئے۔ کہ ان کے پاس اپنے پیغمبروں کی زندگی کے مستند واقعات اور ایمان آفریں کلام کا مجموعہ نہیں تھا اور ان مذاہب کو وہ ذہنی ماحول اور فضا میسر نہیں تھی جس میں پیروان مذاہب دینی نشو و نما ترقی حاصل کرتے اور مادیت و الحاد کے حملوں سے محفوظ رہتے انہوں نے بالآخر اس کی ضرورت کو تسلیم کر کے اس خلا کو پیروانِ مذاہب "پیرانِ طریقت" کے واقعات و ملفوظات سے پُر کیا۔ مگر اس "خانہ پری" نے رفتہ رفتہ مذاہب کو بدعات و رسوم اور نئی نئی تفسیروں کا ایسا مجموعہ بنا دیا جس میں اصل مذہب کی تعلیم گم ہو کر رہ گئی۔ ان مذاہب اقوام کی اپنے پیغمبروں کی سیرت اور مستند واقعات زندگی کے بارے میں بے بضاعتی و تہی دامنی اب ایک مسلمہ حقیقت بن گئی ہے۔ اور اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے[1]

اسلام کے آخری اور دائمی مذہب ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ یہ حادثہ اس کو پیش نہیں آیا، جس ذہنی و روحانی ماحول میں اور جن ذہنی کیفیات کے ساتھ صحابہ کرام نے زندگی گذاری۔ حدیث کے ذریعہ اس پورے ماحول کو قیامت تک کے لئے محفوظ کر دیا گیا۔ بعد کی نسلوں اور صدیوں کے ایک آدمی کے لئے بالکل ممکن ہے کہ حدیث کے ذریعہ وہ اپنے ماحول سے اپنا رشتہ منقطع کر کے دفعۃً اس ماحول میں پہنچ جائے۔ جہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس موجود ہیں۔ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصروف تکلم اور صحابہ کرام گوش برآواز ہیں۔ جہاں اس کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایمان کس طرح کے اعمال و اخلاق

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو خطبات اور اسی خطبہ

اور یقین آخرت کس طرح کی زندگی پیدا کرتا ہے۔ یہ ایک دریچہ ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی، آپ کے گھر کا نقشہ۔ آپ کے رات کے معمولات، آپ کے گھر والوں کی معاشرت اپنی آنکھوں سے دیکھی جاسکتی ہے۔ آپ کے سجود کی کیفیت آنکھوں سے اور آپ کی دعا و مناجات کا زمزمہ کانوں سے سنا جاسکتا ہے۔ پھر جو آنکھیں آپ کی آنکھوں کو اشکبار اور قدم مبارک کو متورم دیکھیں اور جو کان پوچھنے اور سوال کرنے پر یہ آواز سنیں کہ:-

افلا اکون عبداً شکوراً۔ کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

وہ غفلت کا کس طرح شکار ہو سکتے ہیں جن کی آنکھوں نے کاشانۂ نبوت میں دو دو مہینے چولھا گرم ہوتے نہیں دیکھا جنہوں نے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا اور پشت مبارک پر چٹائی کے نشانات پڑے ہوئے دیکھے جس نے سونے کی بیقراری کے ساتھ صدقہ کا بچا ہوا سونا راہ خدا میں خرچ ہوتے دیکھا۔ جس نے مرض وفات میں چراغ کا تیل پڑوسی کے گھر سے قرض آتے دیکھا اس پر دنیا کی حقیقت کیسے چھپ سکتی ہے اور زہد کا جذبہ اس کے اندر کیسے ابھر نہیں سکتا؟ جس نے آپ کو اپنے گھر والوں کی خدمت۔ اپنے بچوں کے ساتھ محبت اپنے خادموں کے ساتھ رعایت، اور اپنے رفقا کے ساتھ عنایت اور اپنے دشمنوں کے ساتھ تحمل فرماتے ہوئے دیکھا۔ وہ مکارم اخلاق اور انسانیت کا درس اس در کو چھوڑ کر اور کہاں سے لینے جائے گا۔

پھر اس ماحول میں کاشانۂ نبوت ہی کا دروازہ نہیں کھلا ہوا ہے جس سے دیکھنے والوں کو یہ سب نظر آتا ہے۔ بلکہ صحابہ کرام کے گھروں کے دروازے بھی کھلے ہوئے ہیں اور ان کے گھروں کی زندگی و معاشرت، ان کے دلوں کی تپش ان کی شبوں کا گداز۔ ان کے بازاروں کی مصروفیات اور مسجدوں کی فراغت۔ ان کی بے نفسی و للہیت اور ان پر نفس انسانی کے حملے۔ ان کا انقیاد کامل اور ان کی بشری لغزشیں سب عیاں ہیں۔ یہاں ابوطلحہ انصاری کے ایثار کا واقعہ بھی آنکھوں کے سامنے گذرتا ہے۔ اور حضرت کعب بن مالک کے غزوۂ تبوک سے بچھڑ جانے کا قصہ بھی پیش آتا ہے۔ غرض یہ ایک ایسی طبعی و قدرتی ماحول ہے جس میں زندگی اپنے پورے تنوعات و حقائق اور انسانی فطرت اپنے تمام خصائص کے ساتھ موجود ہے۔ اور حدیث نے اس کا پورا عکس لے کر قیامت تک کے لئے دور نبوی کو محفوظ کر لیا ہے۔

قرآن مجید کے ساتھ عہد نبوی کی اس تصویر کا باقی رہنا۔ اسلام کا اعجاز اور اس کا ایسا امتیاز ہے جس میں کوئی مذہب اور کوئی امت اس کی شریک و سہیم نہیں۔ ایک ایسا مذہب جس کو قیامت تک باقی رہنا اور تمام آنے والی نسلوں کو عملی نمونہ اور عمل کے جذبات و محرکات اور قلب و دماغ کی غذا فراہم کرنا ہے ماحول کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ ماحول حدیث کے ذریعہ محفوظ ہے۔ تدوین حدیث کی تاریخ پڑھ کر صاف

معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک اتفاقی امر اور دورِ متاخر کی کوئی جدّت نہیں ہے۔ صحابہ کرام کا عہدِ نبوی ہی میں کتابت حدیث کی طرف متوجہ ہونا اور بہت بڑی تعداد میں احادیث کا محفوظ لینا۔ پھر انہی کے آخر دور میں تابعین کا تدوین و ترتیب کی طرف توجہ کرنا، پھر ایران وخراسان و ترکستان کے طالبین علم کے سمندر کا امنڈ آنا، اس کا جمع وحفظ احادیث سے عشق و شغف ان کا غیر معمولی حافظہ ان کا عزم و عالی ہمتی، پھر اسماء رجال و فن روایت مجتہدین کا پیدا ہونا جن کو ان کا ملکہ راسخہ اور بصیرت کاملہ حاصل تھی۔ پھر ان کا انہاک و خود فراموشی پھر امت کی حدیث کی طرف توجہ اور اس کی عالم اسلام میں مقبولیت اور اشاعت یہ سب واقعات اس بات کا ثبوت ہیں کہ جمع قرآن کی طرح اللہ تعالیٰ کو اس "صحیفہ زندگی" کو محفوظ کرنا مقصود تھا اس کی بدولت حیات طیبہ کا امتداد و تسلسل باقی رہا اور امت کو اپنے ہر دور میں وہ روحانی۔ ذوقی۔ علمی و ایمانی میراث ملتی رہی جو صحابہ کرام کو براہ راست حاصل ہوئی تھی۔ اس طرح صرف عقائد و احکام ہی میں "توارث" کا سلسلہ جاری رہا۔ حدیث کے اثر سے عہد صحابہ کا "مزاج و مذاق" ایک نسل سے دوسری نسل اور ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ تک منتقل ہوتا رہا اور امت کی طویل تاریخ میں کوئی مختصر سے مختصر عہد ایسا نہیں آنے پایا جب وہ "مزاج و مذاق" یکسر ناپید اور معدوم ہو گیا ہو۔ ہر دور میں ایسے افراد رہے جو صحابہ کرام کے مزاج و مذاق کے حامل کہے جا سکتے ہیں۔ وہی عبادت کا ذوق۔ وہی تقویٰ و خشیت، وہی استقامت و عزیمت، وہی تواضع و احتساب، وہی شوقِ آخرت، وہی دنیا سے بے رغبتی، وہی جذبۂ امر بالمعروف و نہی عن المنکر، وہی بدعات سے نفرت اور جذبہ اتباع سنت، جو حدیث کے مطالعہ و شغف کا نتیجہ ہے یا ان لوگوں کی صحبت و تربیت کا فیض ہے جنہوں نے اس مشکوٰۃ نبوت سے روشنی حاصل کی اور اس میراث نبوی سے حصہ پایا۔ امت کا یہ ذہنی و مزاجی توارث قرن اول سے اس چودہویں صدی ہجری کے عہد انحطاط و مادیت تک برابر قائم رہا ہے۔

سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک اور امام احمد بن حنبل سے لے کر مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا سید عبداللہ غزنوی رحمۃ اللہ علیہ تک کی زندگی اور سیرت و اخلاق میں ان کا پرتو صاف نظر آتا ہے۔

جب تک حدیث کا یہ ذخیرہ باقی۔ اس سے استفادہ کا سلسلہ جاری، اور اس کے ذریعہ سے عہد صحابہ کا ماحول محفوظ ہے دین کا یہ صحیح مزاج و مذاق جس میں آخرت کا خیال دنیا پر۔ سنت کا اثر رسم و رواج پر، روحانیت کا اثر مادیت پر غالب ہے باقی رہے گا۔ اور کبھی اس امت کو دنیا پرستی، سرتاپا مادیت، انکار آخرت اور بدعات و تحریفات کا پورے طور پر شکار نہیں ہونے دے گا۔ بلکہ اس کے اثر سے ہمیشہ اس امت میں اصلاحی و تجدیدی

(باقی صفحہ ۶۱ پر)